ایک رئیس سے مکالمہ

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ایک رئیس سے مکالمہ

(فرمودہ یکم نومبر ۱۹۳۶ء)

غیر احمدی رئیس جماعت احمدیہ کوئی مذہبی جماعت نہیں اور دُنیوی طور پر اس نے جس قدر ترقی کرنی تھی کرچکی ہے اس سے زیادہ ترقی نہیں کرسکتی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ہر ایک تحریک کی ترقی کے جُدا جُدا اسباب ہوتے ہیں اور ان کو دیکھنا پڑتا ہے لہذا احمدیت کی ترقی کے اصل اسباب کو بھی دیکھنا ہوگا۔ مذہبی ترقی کے واسطے ایسے دلائل بھی ہونے چاہئیں جن کو ایک اَن پڑھ بھی سمجھ سکے۔ چنانچہ جب ایک بدوی سے پوچھا گیا کہ ہستی باری تعالیٰ کا کیا ثبوت ہے تو اس نے کہا کہ جب اونٹ کا لیڈنا اونٹ کا ثبوت ہے اور ایک مینگنی بکری کے وجود کو ثابت کرتی ہے تو یہ زمین و آسمان خدا تعالیٰ کے وجود پر کیوں دلیل نہیں!

پس سوچنے والی بات یہ ہے کہ احمدیت کی اِس وقت تک کی ترقی کے اصل اسباب کیا تھے اور کن حالات میں اس نے ترقی کی۔ بعض ترقیات تو آپس میں لازم وملزوم ہوتی ہیں مثلاً کسی کا بادشاہت کی وجہ سے ترقی کرنا یا جیسے اگر کوئی شخص کسی جگہ جائے تو اُس کا کُرتہ اور شلوار بھی اُس کے ساتھ جائے گا مگر کُرتہ اور شلوار اصل مقصود نہیں ہوا کرتے اسی طرح احمدیت کی اصل ترقی تو روحانیت یا معارف وحقائق کی ترقی ہے لیکن کمزور لوگوں کیلئے خدا تعالیٰ نے اِس کو دُنیوی ترقی بھی دی ہے اور دے گا لیکن دُنیوی ترقی اِس کا اصل مقصود نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ترقی کا اصل مقصود بھی بادشاہت نہ تھی۔ گو خدا تعالیٰ نے عوام کی ہدایت کے لئے حضور اور حضور کے غلاموں کو بادشاہ بنادیا۔ اور حضور کی دُنیوی حکومت وترقی بھی لوگوں کی ہدایت کا ایک ذریعہ بن گئی۔

احمدیت نے صداقت کو ایسے آسان رنگ میں پیش کیا ہے کہ معمولی سمجھ کا انسان بھی سمجھ

سکتا ہے چنانچہ ایک شخص پیرا نامی کسی سخت مرض میں مبتلا ہو کر قادیان آیا۔ وہ ایک غریب آدمی تھا اُس کے وارث اُسے یہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ چھ ماہ تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محنت سے اس کا علاج کیا۔ جب وہ تندرست ہو گیا تو اُس کے وارث اُس کو لینے کیلئے آئے لیکن اُس نے جانے سے انکار کر دیا اور قادیان میں ہی رہا اور وہیں فوت ہوا۔ وہ بڑی موٹی سمجھ کا آدمی تھا چنانچہ مجھے بچپن کے زمانہ کا اس کا واقعہ یاد ہے کہ وہ چند پیسے لے کر مٹی کا تیل پی جاتا تھا۔ قادیان میں شروع زمانہ احمدیت میں جبکہ ریل اور تار وغیرہ نہ تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُسے تار دینے کیلئے وقتاً فوقتاً بٹالہ بھیجتے تھے۔ وہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو اسٹیشن پر دیکھا کرتا تھا اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لوگوں کو قادیان جانے سے روکنے کیلئے ہمیشہ بٹالہ اسٹیشن پر آیا کرتے تھے اسی سلسلہ میں مولوی صاحب نے مولوی عبدالماجد صاحب بھاگلپوری پروفیسر کو بھی بٹالہ سے واپس کر دیا تھا۔ یہ پروفیسر صاحب اب میرے خسر ہیں اور اکثر افسوس کیا کرتے ہیں کہ اگر میں واپس نہ جاتا تو صحابہ کا درجہ حاصل کر لیتا لیکن افسوس کہ میں واپس چلا گیا۔

غرض اِسی طریق پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک دن میاں پیرا سے کہا کہ تُو قادیان مرزے کے پاس کیوں پڑا ہے' تو نے اس کا کیا دیکھا ہے؟ اِس پر پیرے نے کہا۔ مولوی صاحب! میں پڑھا ہوا تو ہوں نہیں پر ایک بات آپ کو بتا دیتا ہوں کہ آپ کو تو میں ہمیشہ اسٹیشن پر دیکھتا ہوں' آپ لوگوں کو قادیان جانے سے منع کرتے ہیں مگر باوجود اس کے لوگ قادیان جاتے ہیں۔ آپ کی جُوتیاں بھی اسی کوشش میں گِھس گئیں پر لوگ قادیان جانے سے نہیں رُکتے لیکن مرزا صاحب تو ہمیشہ گھر میں ہی رہتے اور ملاقات کیلئے بھی بسا اوقات لوگوں کو کئی کئی دن انتظار کرنا پڑتا ہے۔ پھر لوگ قادیان کو تو بھاگے چلتے جاتے ہیں لیکن آپ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ آخر کوئی بات تو ہوگی' اس سے آپ سمجھ لیں کہ مرزا صاحب کے پاس کیا ہے۔

غرض مذہب کی صداقت کے عوام کی ہدایت کیلئے بھی خدا تعالیٰ نے سامان رکھے ہوئے ہیں جن سے اَن پڑھ بھی فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔ ورنہ وہ پیرا اِس قدر موٹی عقل کا تھا کہ اُس کو نماز تک یاد نہ ہوتی تھی۔ اُسے دو دو روپے تک انعام دینے کے وعدے کئے جاتے تھے کہ پانچ نمازیں پڑھ لے اور یہ انعام لے۔ کئی کئی دن اس کو سُبْحَانَ اللّٰہِ یاد کرانے پر لگ گئے مگر ایسے شخص کی ہدایت کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے دلیل رکھی ہوئی تھی۔ پھر کئی آدمی سیاسی طاقت دیکھ کر

ساتھ ہو جاتے ہیں، بعض لوگ اپنے دُنیوی فوائد کے پیچھے چلتے ہیں، بعض اتحاد اور بادشاہت کے رُعب کے زیر اثر ہو کر مان لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ مذہب کو دُنیوی ترقی بھی دیتا ہے ورنہ دنیا مذہب کی اصل غرض نہیں ہوتی۔ پس اصل بات یہ ہے کہ دنیا ہمیشہ دین کے پیچھے آتی ہے اور ہمارا تو ایمان ہے کہ دنیا کی تمام بادشاہتیں ہمیں ملیں گی لیکن ہمارا اصل مقصود دین ہے۔

غیر احمدی رئیس مجھے تو کسی تبلیغ کی ضرورت ہی نہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ مجھے تبلیغ کیوں کرتے ہو۔ اگر آپ حق پر ہیں تو دعا کریں۔ آپکی دعا اگر قبول ہوگئی تو مجھے خود بخود کھینچ لے گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اس میں تین غلطیاں ہیں۔ اوّل یہ خیال کرنا کہ ہدایت خود بخود مل جاتی ہے۔ دوم یہ کہنا کہ تبلیغ کی ضرورت نہیں۔ سوم یہ کہنا کہ صرف دعا کرنا ہی کافی ہے۔

اِن کی تردید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے اور عقل سے بھی کیونکہ اگر یہ مانا جائے کہ جس مذہب کی ہدایت خود بخود ہو جائے وہ سچا ہے ورنہ نہیں تو اس طرح گویا یہ ماننا پڑے گا کہ نیکی اور بدی خود بخود پیدا ہوتی ہے اور اس صورت میں نہ تو کوئی مُجرم رہا اور نہ قابلِ تعریف رہا۔ مثلاً سنگِ مرمر اور کیکر کی لکڑی کی قیمت میں تو فرق ہے مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سنگِ مرمر نیک ہے اور کیکر کی لکڑی گنہگار ہے۔ پس ان کی قیمت میں تو فرق ہے لیکن درجے میں کوئی فرق نہیں۔ اسی اصول پر اگر نیکی اور بدی کو بھی خود بخود حاصل ہونے والی مانا جائے تو نہ کسی نیک کی تعریف باقی رہتی ہے نہ کسی بد کی ذلّت ہوسکتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ جبری نیکی سے کسی شخص کی کوئی قدر نہیں رہتی۔ اس طرح تو گویا نیک لوگ خدا کی دی ہوئی ہدایت سے سُدھر گئے اور بد، خدا کے بگاڑنے پر بگڑ گئے لیکن ہم قرآنِ مجید میں زمین و آسمان کی چیزوں یا ملائکہ کی تعریف نہیں دیکھتے۔ ہاں خدا تعالیٰ کی اپنی تعریف یا انسانوں کی تعریف نظر آتی ہے کیونکہ انسان اپنی عقل و حکمت کے ماتحت نیکی کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ[1] اگر خدا ہم سے شرک نہ کراتا تو ہم شرک نہ کرتے۔ وہ ہمیں جبر کر کے ہدایت پر لے آتا لیکن خدا تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا کہ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ

اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ [۲] اے رسول! اگر تبلیغ کرتے ہوئے تم نے کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی چھوڑ دیا تو گویا تم نے ساری رسالت ہی نہیں پہنچائی اور ہمارا یہ فیصلہ ہوگا کہ تم نے تبلیغ کا کوئی کام نہیں کیا۔ پس اوّل تو قرآن کریم خود تبلیغ کا حکم دیتا ہے آپ اگر جبر کو جائز سمجھتے ہیں تو یہی سمجھ لیں کہ جو تبلیغ کر رہا ہے' وہ بھی خدا کے حکم سے ہی تبلیغ کر رہا ہے کیونکہ اُس کو خدا خاموش نہیں کراتا آپ بھی سنتے رہیں آپ اس کی تبلیغ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ جب چاہے گا اسے خود بخود چُپ کرا دے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہدایت اور ضلالت مَیں نے خود واضح کر دی ہے۔ اور پھر تبلیغ کا حکم فرمایا کہ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى [۳] یہاں ''اِنْ'' بمعنی ''قَدْ'' ہے کہ نصیحت کر نصیحت نے ہمیشہ دنیا کو فائدہ دیا ہے۔ دعا بھی وہی تبلیغ کی قائمقام ہوسکتی ہے جس میں کامل انابت الی اللہ ہو۔ دعا درحقیقت کامل انابت الی اللہ کا ہی نام ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے' کہ کھڑے' بیٹھے لیٹے مومن ہر وقت ذکرِ الٰہی کرتا ہے حالانکہ لیٹے ہوئے تو وہ سو بھی جاتا ہے۔ پس اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ محبت کی چنگاری جو وہ لیکر سوتا ہے جب اُٹھتا ہے تو وہ شُعلہ محبت کا پھر بھڑک اُٹھتا ہے اور خدا کی طرف بندے کو مائل کر دیتا ہے۔

نیز دعا انسان کے اخلاص کے اظہار کا بھی ایک ذریعہ ہے تا کہ انسان کی نگاہ دوسری طرف سے ہٹ کر خدا تعالیٰ کی طرف لگی رہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نظر دنیا پر نہ تھی گو ''زادالمعاد'' میں آپ کے گھوڑوں' کپڑوں اور اسباب وغیرہ کا ذکر بھی آتا ہے مگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اور اس کے حکم کے ماتحت تھا۔ ایسا ہی قرآن کریم میں حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں اور ان کے محل کا ذکر ہے کہ کئی ہزار گھوڑے تھے لیکن حضرت سلیمانؑ کی نظر ان پر نہ تھی۔ لیکن جبکہ قرآن کریم میں حضرت سلیمانؑ کو بغیر حساب رزق ملنے کا ذکر ہے اگر وہ ایک لنگوٹی باندھے رکھتے تو یہ وعدۂ الٰہی پورا ہوتا دنیا کس طرح دیکھتی پس الٰہی وعدہ کا ایفاء دکھانے کیلئے حضرت سلیمانؑ نے گھوڑے وغیرہ رکھے تھے ورنہ جب قربانی کا سوال آئے تو یہ لوگ ان چیزوں کی کوئی پروا نہیں کرتے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ [۴] اور جب آپؐ فتح مکہ کے وقت مکہ تشریف لے گئے تو صحابہ نے دریافت فرمایا کہ حضور کہاں قیام فرمائیں گے؟ اس پر حضور کی آنکھوں میں بوجہ مکہ کی محبت کے آنسو آ گئے اور فرمایا کہ مکہ والوں نے تو میرے رہنے

کیلئے کوئی جگہ چھوڑی ہی نہیں۔[۵]

انبیاء اور ان کے متبعین کو دنیا سے محبت نہیں ہوتی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فتح مکہ کے بعد کی ایک جنگ کے ختم ہونے پر آنحضرت ﷺ نے کچھ مال مکہ والوں میں تقسیم کیا تو ایک نوجوان انصاری نے اعتراض کیا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مال مکے والوں کو بانٹ دیا گیا ہے۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا۔ مجھے ایک بات پہنچی ہے۔ انصار بھی سمجھ گئے اور انہوں نے عرض کیا۔ حضور! وہ ایک نادان نوجوان نے بات کہی ہے ہم اس سے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمارا اِس سے کوئی واسطہ نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بعض باتیں جب منہ سے نکل جاتی ہیں تو وہ اپنا نتیجہ پیدا کر کے رہتی ہیں۔ تم یہ بات دو طرح کہہ سکتے تھے۔ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ جب مکہ والوں نے خدا کے رسول کو اپنے شہر سے نکال دیا اور اُس کے رہنے کیلئے کوئی جگہ نہ رہی تو ہم نے اسے پناہ دی اور اپنی جانیں اور اموال لُٹا کر اور اپنی گردنیں کٹوا کر اس کی حفاظت کی اور اسے اپنے گھروں میں جگہ دی لیکن جب اموال آئے تو خدا کا رسول ہمیں بُھول گیا اور اس نے مال اپنے مکے کے رشتے داروں میں بانٹ دیا اور ہماری کوئی پروا نہ کی۔ لیکن اگر تم چاہتے تو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ تمام انبیاء ایک عظیم الشان نعمت کی خبر دیتے چلے آئے تھے، وہ یہ کہتے چلے آئے تھے کہ ایک نبی آئے گا اور وہ نہایت بلند عظمت و شان رکھتا ہوگا، اس نبی کو خدا نے مکہ میں پیدا کیا، وہ وہاں رہا اور جب خدا تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر مکہ فتح کیا تو مکہ والوں نے چاہا کہ اپنے رسول کو اپنے شہر میں لے جائیں لیکن اس وقت خدا تعالیٰ نے مکہ والوں کو کہا۔ تم اونٹ گھوڑے اور دیگر اموال لے جاؤ لیکن مدینہ والے خدا کا رسول اپنے گھروں کو لے جائیں۔ یہ سُن کر انصار رو پڑے اور اپنی براءت کرنے لگے۔ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بعض باتیں جب منہ سے نکل جاتی ہیں تو اپنا نتیجہ ضرور دکھایا کرتی ہیں۔ اب خدا تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ اے انصار! تم کو ان قربانیوں کے عوض دنیا میں قیامت تک سلطنت نہیں ملے گی۔ ہاں ان کا بدلہ حوضِ کوثر پر تم کو دے دیا جائے گا[۶]۔ چنانچہ دیکھ لو۔ اسلام میں مغل، پٹھان حتیٰ کہ حبشی بھی بادشاہ ہوئے اور تین سَو سال تک حبشیوں نے بادشاہت کی۔ اور اور بھی جو قومیں مسلمان ہوئیں اُن کو خدا تعالیٰ نے سلطنت بخشی لیکن انصار ۱۳ سَو سال سے کسی حصہ دنیا کے بادشاہ نہیں ہوئے۔ غرض بعض انبیاء کو بادشاہ بنایا گیا اور بعض غربت کی حالت میں ہی دنیا سے گذر گئے لیکن جو بادشاہ

بنے ان کو بھی دنیا سے محبت نہیں ہوتی بلکہ اگر ان سے خدا تعالیٰ کروڑوں روپیہ کا مطالبہ کرے اور وہ ان کے پاس ہوتو وہ خوشی سے اس کو حاضر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ تاریخوں میں آتا ہے۔ ایک جنگ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ وہ قربانی میں حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ جائیں گے۔ اس سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی اپنے گھر سے نصف مال نہیں لائے تھے اس کو دیکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے آدھا مال گھر سے لا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن ان کے آنے سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا مال لا چکے تھے۔ اور وہ مال اِس قدر تھا کہ اسے دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا۔ گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا جو کچھ گھر میں تھا' وہ سب یہاں لے آیا ہوں اور اب اللہ اور اس کے رسول کا نام ہی گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو محبت کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کو بڑھا کہا کرتے تھے ورنہ وہ چند سال ہی ان سے بڑے تھے یہ دیکھ کر کہنے لگے اس بُڈّھے نے تو مجھے شکست دیدی اور یہ ہمیشہ ہی مجھ سے بڑھ جاتا ہے۔[۷]

پھر جمع دولت کے لحاظ سے اگر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف فوت ہوئے تو اڑھائی کروڑ روپیہ کی جائیداد انہوں نے چھوڑی[۸] لیکن اگر اللہ تعالیٰ ان سے یہ بھی طلب کرتا تو وہ خوشی سے ساری جائیداد پیش کر دیتے۔ غرض اصل میں ساری دُنیوی ترقیات خدا تعالیٰ ہی دیتا ہے اور دعا کے ذریعہ اخلاص کا پتہ لگتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ انسان کے اخلاص کا پتہ تبھی لگ سکتا ہے جب اس کے اندر طاقت ہو۔ اگر ایک نامرد اپنی عصمت کا اور نابینا بدنظری سے بچنے کا دعویٰ کرے۔ یا ایک بے دست و پا آدمی یہ کہے کہ میں نے اپنی ساری عمر میں کسی کو نہیں مارا' تو ان کا یہ دعویٰ محض عَبث ہوگا۔ جب ان میں گناہ کرنے کی طاقت ہی نہیں تو ان کا پاکیزگی یا پرہیزگاری کا دعویٰ کرنا بالکل فضول ہے۔ غرض انابت الی اللہ کے ماتحت بار بار دعا کر کے انسان کو چاہئے کہ وہ خدا کی طرف جُھکا رہے۔ اور اگر کسی کے پاس لاکھوں روپیہ ہے اور اس کو پانچ روپے کی ضرورت پڑ گئی ہے تو وہ یہ نہ کہے کہ مجھے روپیہ کی کیا پرواہ ہے میرے پاس لاکھوں روپے ہیں وہ ایماندار تبھی کہلائے گا جب وہ کہے گا کہ میرا یہ کام خدا تعالیٰ ہی کرے گا روپیہ پر میرا کوئی اعتبار نہیں۔ میرا توکّل خدا تعالیٰ کی ذات پر ہے۔

دعا اور توکّل

علاوہ ازیں دعا ایک سہارا اور ایک سواری ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ میں ہر ایک طاقت کے سلب کر لینے کی قدرت بھی ہے اس لئے دعا کے ذریعہ ہر وقت اُس کی حفاظت و اعانت طلب کرتے رہنا چاہئے۔ اور اگر انسان کے پاس کچھ بھی نہیں اور اُس کو ہزاروں لاکھوں روپوں کی ضرورت پڑ گئی ہے تب بھی وہ یہ کہے گا کہ پروا نہیں میرا خدا میری اِس ضرورت کو پورا کر دے گا اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے ایک دفعہ کوئی شخص اپنا قرضہ لینے آیا آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اس نے جانے کیلئے اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا ٹھہرو تب ایک مریض باہر سے آیا اور ایک تھیلی ساتھ لایا۔ وہ تھیلی بند کی بند لیکر قرض خواہ چلا گیا۔ کسی نے پوچھا۔ کیا ان روپوں کو تم نے گن لیا ہے۔ اس نے کہا۔ اس میں پورے ہی روپے ہیں میں نے دیکھ لئے تھے۔ تو خدا تعالیٰ مومن سے ایسا سلوک بھی کیا کرتا ہے۔ اسی طرح ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے۔ ان کو کسی نے ایک پُڑیا ہدیہ میں دی۔ انہوں نے وہ واپس کر دی کہ یہ میری نہیں کیونکہ میری ضرورت سے آٹھ آنہ اس میں کم ہیں۔ تب اُس پیش کرنے والے نے کہا میں بُھول گیا ایک اور شخص نے بھی ہدیہ دیا تھا اور پھر اُس میں آٹھ آنے زیادہ کر دیئے۔ تب اُس بزرگ نے اسے لے لیا اور کہا۔ اب یہ رقم میری ہے کیونکہ مجھے اِسی قدر رقم چاہئے تھی جو خدا نے دیدی۔ تو عارف کو بروقت امداد مل جایا کرتی ہے۔ ایک کروڑ پتی مومن کروڑوں روپیہ کی موجودگی میں بھی ڈرے گا کہ اگر خدا تعالیٰ ان کو لے لے تو یہ کیا چیز ہے۔ اور اگر مومن فقیر ہوگا اور اُس کو کروڑ کی ضرورت پڑے گی تو وہ کہے گا یہ رقم موجود ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی قدرت پر نظر رکھے گا۔ غرض ایک کروڑ پتی کی دعا بھی اسی طرح چلتی رہے گی جس طرح ایک فقیر کی۔ ورنہ ایک امیر کو جس قدر نعمت ملے گی اُتنا ہی اس کا دعا کا خانہ کم ہوتا جائے گا حالانکہ خدا تعالیٰ دنیا تو مومن کو بطور انعام دیا کرتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے حضور کچھ آدمی اونٹوں پر سفر کر کے حاضر ہوئے لیکن وہ اونٹوں سے اُتر کر اتنی جلدی آپؐ کے پاس پہنچے کہ اس عرصہ میں اونٹوں کو باندھا نہیں جا سکتا تھا۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا اونٹوں کا کیا کر آئے ہو۔ وہ کہنے لگے حضور ان کو خدا کے توکّل پر چھوڑ آئے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ جاؤ اور اُن کے گھٹنے باندھو اور پھر توکّل کر کے آؤ [9]۔ غرض دعا کا عملی حصہ توکّل کہلاتا ہے اور دعا بھی سامانوں کی موجودگی میں استعمالِ اسباب کے ساتھ ملکر رنگ دکھایا کرتی ہے لیکن جہاں خدا تعالیٰ نے کوئی نشان دکھانا ہوتا

ہے وہاں بغیر رعایتِ اسباب بھی مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے آخری ایام میں حضور کو کھانسی بہت ہوگئی۔ ڈاکٹر عبدالحکیم جو مرتد ہو چکے تھے انہوں نے قادیان کے اخبارات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیماری کا ذکر پڑھ کر اپنا یہ الہام شائع کر دیا کہ مرزا صاحب کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سِل ہوگئی ہے۔ (میرے نزدیک انہیں الہام نہیں ہوتا تھا اور جن الہامات کو پیش کرتے تھے وہ ان کے دماغی نقص کا نتیجہ تھے) اُن دنوں مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تیماردار تھا اور نوجوان تھا اور نوجوانوں کی طبیعت تیز ہوتی ہے۔ میں بڑی احتیاط سے پرہیز کراتا اُن دنوں باہر سے کچھ پھل بطور تحفہ آئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان میں سے کیلا لیکر کھانا شروع کر دیا میں نے روکا کہ آپ کو تو نزلہ کھانسی ہے اور اس میں یہ مُضِرّ ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃ اوّل اُن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معالج تھے میں نے کہا مولوی صاحب کیلے سے منع کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسکراتے گئے اور کیلا کھاتے گئے۔ آخر فرمایا۔ مجھے ابھی الہام ہؤا ہے کہ کھانسی ہٹ گئی اِس لئے میں نے کیلا کھا لیا ہے تاکہ آزمائش ہو جائے کہ کھانسی ہٹ گئی ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پھر کھانسی بالکل نہیں ہوئی۔ تو جہاں منشائے الٰہی کے ماتحت کوئی نشان دکھانا مقصود ہوتا ہے وہاں تقدیرِ خاص کے ماتحت اکیلی دعا ہی نتیجہ دکھا دیتی ہے ورنہ قرآن مجید کے عام اَحکام نافذ ہوتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کے خاص اِذن کے آنے تک دونوں باتیں دعاء اور توکّل یعنی دعا اور رعایتِ اسباب مل کر چلیں گی۔

لکھا ہے کہ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ بعض اوقات کئی کئی ہزار روپیہ کا کپڑا پہنتے تھے۔ جب ان پر اسراف کا اعتراض ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں تو ننگا رہنے کو بھی تیار ہوں۔ اور میں تو نہیں کھاتا جب تک خدا مجھے نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر! تجھے میری ذات ہی کی قسم ہے کہ یہ کھا۔ اور میں نہیں پہنتا جب تک خدا مجھے نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر! تجھے میری ذات ہی کی قَسم ہے کہ یہ پہن۔ ورنہ میں تو بھوکا اور ننگا رہنے کو بھی تیار ہوں۔ غرض جب تک انسان ایسے مقام پر نہ پہنچ جائے اُس وقت تک دعا، توکّل اور تبلیغ تینوں چیزیں اکٹھی چلتی ہیں۔ قرآن کریم میں دعا کا بھی حکم ہے۔ کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[10] اور تبلیغ کا بھی حکم ہے۔ کہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اور پھر فرمایا کہ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ[11] کہ مخالفینِ اسلام کو بلا وَ

اپنے پاس رکھو، ان کو خوب تبلیغ کرو اور پھر ان کو اگر وہ نہ مانیں تو بحفاظت ان کے مقام پر پہنچا دو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک جوشیلا عرب قادیان میں آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور باقی احباب نے اسے خوب سمجھایا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ یہ شخص تبلیغ سے نہیں بلکہ دعا سے سمجھے گا اور اس پر دعا کا حربہ اثر کرے گا۔ چنانچہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعا فرمائی تو دوسرے دن ہی وہ خود مسجد میں آ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ میں نے غور کیا ہے وفاتِ مسیح کا یہ ثبوت ہے اور صداقتِ مسیح موعود کا یہ ثبوت ہے اور خود ہی دلائل دینے لگ گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے خود ہی اُسے دلائل سکھا دیئے اور اس نے بیعت کر لی۔ پھر وہ شخص اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ جب میں حج کو گیا تو مجھے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہاں لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ایک شخص یوسف نامی تھا۔ وہ ایک قافلہ کے ساتھ ملکر ایک ہندوستانی کو مسیح و مہدی کہتا تھا اور لوگوں کو باتیں سناتا جاتا تھا اور قافلے کے ساتھ ساتھ چلتا جاتا تھا۔ لوگ اس کو مارتے اور وہ بیہوش ہو جاتا مگر جب اسے ہوش آتا تو وہ بھاگ کر پھر قافلے سے آ ملتا اور تبلیغ کرنے لگ جاتا۔ پھر معلوم نہیں اُس کو مار دیا گیا یا وہ فوت ہو گیا۔ عرب میں اِس کا کوئی پتہ نہیں لگ سکا۔ غرض جب اللہ تعالیٰ نے اُس کو سمجھایا تو اُس نے اِس قدر جوش سے تبلیغ کی کہ جس کی نظیر مشکل سے ملتی ہے۔ پس کہیں کہیں ایسے واقعات بھی رونما ہو جاتے ہیں۔ (الفضل ۸۔ نومبر ۱۹۳۶ء)

۱؎ النحل: ۳۶ ۲؎ المائدۃ: ۶۸ ۳؎ الاعلیٰ: ۱۰

۴؎ موضوعات مُلّا علی قاری صفحہ ۳۵۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۶ھ

۵؎ بخاری کتاب المغازی باب اَینَ رَکَزَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ عَلَیہ وسَلم الرایة یوم الفتح۔

۶؎ بخاری کتاب فرض الخمس باب مَاکان النّبیّ صلی اللّٰہ عَلَیہ وسَلم یعطی المؤلفة قلوبهم (الخ)

۷؎ ترمذی ابواب المناقب۔ باب مناقب ابی بکر الصدیق

۸؎ اسد الغابة فی معرفة الصحابة الجزء الثالث صفحہ ۳۱۷۔ مطبوعہ مصر ۱۲۸۶ھ

۹؎ ترمذی ابواب صفة القیامة باب اعقلها و توکل

۱۰؎ المؤمن: ۶۱ ۱۱؎ التوبة: ۶